وہ جو میرے دل کے قریب تھیں

ماں بیٹی کا رشتہ اللہ نے کیسا انوکھا اور پیارا بنایا ہے ۔لفظوں میں اس کی خوبصورتی و گہرائی کو سمویا نہیں جا سکتا صرف محسوس کیا جا سکتا ہے ۔ غالبًا ہر بیٹی ہی اس رشتے کی لطافت ،نرمی ،گرمی ،شرینی اور مشفق خوشبو کو اپنی پور پور میں رچا محسوس کرتی ہوگی ۔لیکن امی کے ساتھ میرا تعلق اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر استاد، شاگرد، مرشد، مرید اور دوست ، ہمدم ،غمگسار اور سہیلی میں ڈھل گیا تھا۔

مجھے امی کی ہر چیز اچھی لگتی ۔امی کی شخصیت امی کا انداز ،امی کی گفتگو، امی کی مصروفیتیں ،امی کی جماعت ،امی کی ملنے والیاں ،امی کی شاعری ،امی کی حساسیت یہاں تک کہ امی کی ڈانٹ بھی مجھے بڑی اچھی لگتی۔

امی کے حوالے سے میری اولین خوبصورت یادانکا عید کے موقع پر میرے لئے سبز رنگ کا غرارہ سینا ہے، چاند رات تھی ۔امی غالبًا باورچی خانہ میں مصروف رہی ہونگی ۔ میرا غرارہ نامکمل حالت میں مشین کے اوپر پڑا تھا۔ میں بار بار امی کے پاس آکر پوچھتی ،امی صبح عید ہے صبح تک میرا غرارہ مکمل ہو جائے گا نا؟ اور امی مجھے بار بار تسلی دیتیں کہ صبح جب تم اٹھو گی تو تمہارا غرارہ تیار ہوگا انشاء اللہ۔ میں نجانے کس وقت انتظار کرتے کرتے سو گئی ۔صبح فجر کی نماز کی چہل پہل سے آنکھ کھلی۔

تیر کی طرح دوڑ کر سلائی مشین کے پاس پہنچی امی نے میرا تیار شدہ غرارہ مشین پر پھیلا کر سجایا ہوا تھا۔ کلا بتو کی ڈوری اور گوٹے کی پتیوں کی مدد سے غرارے کی گوٹ پر پھولوں کی چھڑیاں بھی بنی ہوئی تھیں ۔ میں دوڑ کر امی سے لپٹ گئی۔امی آپ نے کیسے اتنے تھوڑے وقت میں اتنا اچھا غرارہ تیار کر لیا!!

میں نے ہمیشہ امی کو راتوں کو جاگ کر کام کرتے دیکھا کپڑوں کی سلائی سے لے کر نور کے کام تک ۔اور دن بھر امی کے گھر کے کام اور جماعت کے کام چلتے۔

میں نے چھ سات سال کی عمر میں روانی سے اردو پڑھنا سیکھ لی تھی بہت کم عمری سے ہی امی نے مجھ سے ،نور کے کام میں مدد لینا شروع کر دی تھی۔

میرا کام ہوتا کہ ڈاک کھولتی جاتی ۔اگر اندر سے کہانی نکلتی تو اس کو کہانیوں والی فائل میں رکھ دیتی اگر لطیفے یا پہیلیاں نکلتے تو اس کو ان کی متعلقہ فائل میں رکھ دیتی ۔اس طرح sorting یعنی چھانٹی کا کام میرے ذمہ تھا۔

ذرا اور بڑی ہوئی تو امی نے ڈیوٹی لگا دی کہ کہانی پڑھو۔اگر بہت اچھی لگے تو ایک کونے پر لکھ دو کہ بہت اچھی ہے اگر درمیانی یا معمولی لگے تو وہ بھی کونے میں لکھ دو (اس طرح امی کو شاید کچھ آسانی ہو جاتی ہوگی) مجھے یہ کام بہت

دلچسپ لگتا۔ پڑھنے کا مجھے قدرتی طور پر جنون کی حد تک شوق تھا۔ امی تحریروں کے حوالے سے میری رائے کو خاص اہمیت دیتیں ۔ میں تصور ہی تصور میں اپنے آپ کو ایڈیٹر باجی ، ہی سمجھتی ۔ امی کے ساتھ نور کے کام میں معاونت میں نے مارچ 2001 تک نبھائی جب کبھی امی بہت تھکی ہوتیں تو نور کی محفل میں جوابات بھی میں لکھ دیتی اور کبھی کبھی امی کے بتائے نکتہ پر اداریہ بھی لکھ دیتی۔

امی کی فرمائش پر میں نے Mystery of the burnt cottage کا ترجمہ، پراسرار آگ، کے نام سے کیا یہ ناول قسط وار نور میں چھپا اور بچوں نے اسے پسند کیا جب کبھی میری کسی کہانی یا مضمون کے حوالہ سے کوئی پسندیدگی کا خط آتا تو حوصلہ افزائی کرنے کو امی مجھے ضرور بتاتیں یہی وجہ ہے کہ نور اور بتول کی محبت میری رگوں میں خون کی طرح دوڑتی ہے۔

امی میرے مطالعے کے شوق سے خوش ہوتیں حوصلہ افزائی کرتیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کا اصرار ہوتا کہ جو پڑھا اور سمجھا ہے وہ مجھ سے ڈسکس کرو۔

اس طریقہ کار سے غیر ارادی طور پر مجھے اپنا ماضی الضمیر بیان کرنے کا سلیقہ آیا او ساتھ ہی ساتھ ہر تحریر میں چھپے مقصد کو سمجھنا اور تحریر کے مضمرات کو جانچنا آیا۔

یوں میں نے Enid Blyton سے لیکر اگاتھا کرسٹی تک بار برا کارٹ لینڈ سے لیکر جین آسٹن تک ، برنارڈ شا کے مین اور سپر مین سے لیکر Ibsen کے ڈول ہاؤس تک کیٹس ، شیلے، ملٹن سے لیکر Ted Hughes تک Saift اور ہکسلے سے لیکر ٹی ایس ایلیٹ تک میں نے ہر ایک کو امی سے خوب خوب ڈسکس کیا۔ Donne کے میٹا فزکس اور ایلیٹ کے ، ویسٹ لینڈ ، کو سمجھنے میں امی میری مقدور بھر مدد کرتیں۔ میرے ساتھ اتنی گفتگو اور بحث مباحثہ سے بقول امی ، مجھے لگتا ہے میں نے تیرے ساتھ ایم اے انگلش کر لیا ہے اور لطیفہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ بہاولپور میں انگریزی کی پروفیسر عذرا یاسمین صاحبہ امی سے بات کرتے کرتے پوچھنے لگیں کہ مینا آپا آپ نے انگریزی میں ایم اے کب کیا؟

یہ بات سناتے وقت امی خوب ہنستیں۔ انگریزی ادب کے حوالے سے امی کی گفتگو کا حاصل کلام یہ ہوتا کہ ''انگریز چونکہ آقا تھے اور ہم غلام، اس لئے ان کے ادب کو اس قدر بانس پر چڑھایا گیا ورنہ حقیت میں جو سرمایہ ہمارے پاس فارسی اور اردو ادب میں موجود ہے۔ وہ انگریزی ادب سے بدرجہا بہتر اور بالغ ہے۔''

امی مجھے شروع ہی سے خاندان کی باقی خواتین سے منفرد لگتیں میں نے بچپن ہی سے دیکھا تھا کہ امی کام کرتے کرتے گنگنانے لگتی ہیں پھر کچھ دیر بعد کاغذ قلم منگواتی ہیں اور اس پر کچھ لکھتی ہیں۔ ذرا سمجھدار ہونے پر پتا چلا کہ یہ تو امی پر اشعار کی آمد ہوتی ہے اور انہیں امی کام کرتے کرتے لکھتی رہتی ہیں شعر لکھنے کے بعد امی ایک دفعہ مجھے سناتیں ضرور اور پوچھتی کہ کیسا لگا؟ پہلے تو مجھے کوئی خاص سمجھ نہ آتی ہاں دل ہی دل میں امی کی خداداد صلاحیت پر حیران ضرورت رہ جاتی۔ پھر ذرا شعور میں بالیدگی آئی تو میں زور و شعور سے تعریف کرتی، کوئی لفظ سمجھ نہ آتا تو پوچھ بھی لیتی مثلاً خم کاکل سے کیا

مراد ہے وغیرہ، لیکن میں امی سے یہ ضرور کہتی کہ امی آپ کی طبیعت میں اتنا سوز کیوں ہے؟

امی کہتیں کہ یہ سوز تو انسان کی فطرت ومقدر میں لکھ دیا گیا ہے (بحوالہ ابتدائیہ مثنوی مولانا روم، جہاں وہ بانسری سے پوچھتے ہیں کہ تیرے اندر اتنا سوز کیوں ہے)

امی اپنے بچپن کا حال سناتے ہوئے اکثر بتاتیں کہ میری شخصیت کو بنانے میں 4 کتابوں نے بنیادی کردار ادا کیا شیخ سعدی کی گلستان اور بوستان، مثنوی مولانا رومؒ اور پندنامہ فریدالدین۔

امی سے والہانہ تعلق نے مجھ سے ہر وہ کام کرایا جو امی کو پسند تھا۔ وہ کسی بات کے لئے پسندیدگی کا اظہار کرتیں اور میں اسے کرنا اپنے اوپر فرض کر لیتی۔

میں نے انگریزی ادب امی کی خواہش کے پیش نظر پڑھا۔ امی ہر وقت گلستان بوستان کا ذکر کرتیں۔ میں نے بی اے میں فارسی بطور آپشنل مضمون کے صرف اسی لئے رکھا اور امی سے گلستان کی حکایتیں اور پیام مشرق کی نظمیں پڑھیں، پڑھائی سے فارغ ہو کر امی کا دل چاہتا کہ مجھے کشیدہ کاری کروشیا، سوئیٹر بننا اور کپڑے سینا آنا چاہئیں۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ امی نے کبھی اپنے کپڑے درزی سے سلوائے ہوں یا شادی سے پہلے تک کبھی ہمارے کپڑے سلنے کو دیئے ہوں۔ عینی باجی تو خیر بہت اچھے کپڑے سی لیتیں تھیں میں بھی شلوار قمیض سی لیتی گلا البتہ امی سے بنواتی۔

امی کو کتابیں پڑھنے کا شوق تھا ہم نے امی کی حوصلہ افزائی پر گھر کے قریب واقع، دیال سنگھ لائبریری کا چلڈرن سیکشن اور ادبی حصہ چاٹ ڈالا۔

میں دنگے فساد سے کوسوں دور بھاگتی مگر امی کے حکم پر کئی دفعہ پولنگ ایجنٹ بھی بنی 1993 میں میری شادی ہو چکی تھی امی سے ملنے لاہور گئی ہوئی تھی اسلامک فرنٹ کی طرف سے ایوب میر صاحب کھڑے تھے مقابلہ نواز شریف سے تھا انتخابی وسیاسی حالات نہایت ناگفتہ بہ تھے مگر صرف امی کے اصرار پر میں اور عارفہ دیال سنگھ کالج میں واقع پولنگ بوتھ پر بطور پولنگ ایجنٹ بیٹھیں۔

خاندانی منصوبہ بندی کے امی سخت خلاف تھیں۔ باتوں باتوں میں اس کے خلاف دلائل دیتی رہتیں اللہ نے اپنی عنایت خاص سے مجھے چار بیٹے اور 3 بیٹیاں عطا فرمائیں (الحمدللہ) میں کبھی کبھی شرارت سے امی سے کہتی کہ دیکھ لیں اس معاملے میں بھی میں نے آپ ہی کی بات کو اہمیت دی ہے۔

ہر بچے کی پیدائش کے موقع پر امی نے میری خدمت اور ہمت بندھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جڑواں بچوں کی پیدائش کے موقع پر وہ مسلسل چار ماہ دن رات میرے ساتھ لگی رہیں۔ بچوں کو بے جا ڈانٹ ڈپٹ کرنے، غصہ کرنے سے ہمیشہ روکتیں مجھے **اللھم اغنی بالعلم ،وزینا بالعلم واکرمنی بالتقویٰ واجملنی بالعافیہ** کی تلقین کرتیں۔

2001ء اپریل سے میں نے امی کے مشورے اور ہدایت کے مطابق جماعت اسلامی حلقہ خواتین میں عملی سفر کا آغاز کیا۔ میں اہل فیصل آباد کی اس محبت کی تا حیات مقروض

رہوں گی جوانہوں نے مجھ پر ''مینا آپا'' کی بیٹی ہونے کے ناطے نچھاور کیں۔

آخری چند سالوں سے اب میری اور امی کی گفتگو کا محور قرآن پاک کی آیات و موضوعات ہوتا۔ میں امی کو اپنی فہم قرآن کے اسباق کی تیاری سناتی۔ ایک ہی آیت کو مختلف مفسرین نے کس کس طرح بیان کیا ہے میں امین احسن اصلاحی صاحب اور سید قطب شہید کی تعریف کرتی کبھی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی تفصیلات کا ذکر کرتی مگر امی آخر میں اپنے مخصوص انداز میں کہتیں کہ ''مولانا مودودیؒ'' کا انداز بہت عام فہم ہے۔

میں نے محمود احمد غازی کی محضرات قرآنی، شاہ ولی اللہ کی حجتہ اللہ لبالغہ، ابن جوزی کی منہاج القاصدین، سید اسعد گیلانی مرحوم کی مسافران عدم اور اشفاق احمد کی زاویہ (کتابی صورت میں) امی کے ساتھ بڑی دلچسپی سے پڑھیں آخری بار امی نومبر 2010 میں میرے پاس آئیں اور جنوری 2011ء تک رہیں۔ اس دفعہ امی بہت کمزور ہوگئی تھیں۔ دل بھی بہت رقیق ہوگیا تھا۔ یادداشت بھی متاثر تھی۔ اکثر چلے جانے والوں کو یاد کرتی رہتیں اپنی والدہ اماں بی بی، بھائی شفیع احمد خاں، اپنے چچا نواب سخاوت علی خاں، چچازاد بھائی بہنوں اور خاص طور پر بنارس والی چچی بی کا ذکر کرتیں جنہوں نے یتیمی میں امی اور ان کی والدہ کا بھرپور ساتھ نبھایا تھا۔

جماعتی حلقے سے اٹھتے بیٹھے آپا حمیدہ بیگم اور آپا زبیدہ بلوچ کو یاد کرتیں۔ کبھی ڈاکٹر اختر حیات بٹ، سمعیہ سالم، قانتہ رابعہ، عاصمہ غنی، کوثر فردوس، زہرا عبدالوحید صاحبہ اور کبھی 199 شاد باغ والوں کو کے بارے میں نام لے لے کر پوچھتیں۔ جب کبھی ڈاکٹر فوزیہ ناہید اور ڈاکٹر عذرا بتول کا ذکر ہوتا تو بیگم زبیدہ واصل کی بیٹیوں اور مزین سلیم کا پوچھتیں نیر بانو، نمبر پڑھ کر آپا نیر بانو، بلقیس صوفی اور آپا ام زبیر کو یاد کرتیں، ہر وہ فرد جس نے امی کے ساتھ محبت، خلوص کا رشتہ استوار کیا تھا اسکے لئے امی کے لبوں پر دعائیں مچلتی رہتیں۔

رشتہ داروں میں اہلیہ ناصر سلطان صاحبہ کے محاسن کا خصوصیت سے ذکر کرتیں۔ ہمارے ابا جی مرحوم کا ذکر کر کے آبدیدہ ہو جاتیں۔ کہتیں کہ اللہ نے میرا واسطہ بڑے نیک آدمی سے ڈالا تھا، میں اس پر اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے امی کی یادداشت ضرور متاثر ہوئی تھی مگر عقل و فہم میں الحمدللہ کوئی فرق نہ آیا تھا۔ سیاسی حالات اور خصوصاً امریکہ کے حوالے سے گفتگو ہوتی تو امی ایک ہی بات کہتیں کہ دشمن اگر قوی است، نگہبان قوی تر ست۔

امی کے ساتھ آخری کتاب ڈاکٹر بشیر محمود کی حیات بعد الممات پڑھی۔ روح و نفس کی حقیقت پر تفصیلی گفتگو ہوتی، کہتیں کہ موت کا زیادہ سے زیادہ ذکر و خیال کرتی رہو خوف میں کمی آتی جائے گی۔ امی کہتیں کہ مرنا بے شک آسان کام نہیں مگر مجھے اپنے رب کی رحمت پر یقین ہے میں نے اپنی زندگی کے ہر قدم پر اس کی رحمت و عنایت کو محسوس کیا ہے کیا اب وہ مجھے چھوڑ دے گا؟ (یقیناً نہیں) امی کی پسندیدہ دعا یہ تھی

فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا ر ینی دل کو موہ لیتی تھی!

والاخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصٰلحین

آخری دفعہ رخصت ہوتے وقت کہنے لگیں '' کام میں لگی رہو مجھے اب وہ وقت بہت قریب محسوس ہو رہا ہے گھبرانا مت، بس آسانی کی دعا کرتی رہنا۔'' اور رحمان ورحیم رب نے کیسی آسانی کر دی، الحمد للہ، سبحان اللہ! میں تو لاشعوری طور پر اس جدائی کی منتظر تھی لیکن جب یہ حادثہ حقیقتاً گزرے گا تو دل ودماغ کا کیا حال ہوگا میں نے تصور بھی نہ کیا تھا۔

محترمہ نیر بانو مرحومہ کے لکھے، ویرانے کا نوحہ، پر میری نظر پڑی جو انہوں نے آپا حمیدہ بیگم کی رخصتی پر لکھا تو مجھے یوں لگا کہ میرے احساسات کو زبان مل گئی ۔ میں نے 25 سال کے بجائے 40 سال کی تبدیلی کی ہے بس......

''ہماری تو چالیس سال کی رفاقت اور دوستی تھی یہ کیا ہوا برسوں کا رشتہ دم کے دم میں توڑ کر رکھ دیا ایسا منہ چھپایا کہ اب ملنا قیامت ہو گیا ۔ کیا اسی کو دوستی کہا جاتا ہے؟ کیا یہی شرط وفا تھی؟ اور منزل بھی وہ چنی جس کی طرف قدم بڑھ تو سکتے ہیں مگر واپسی کی راہیں نہیں......

اور معلوم ہے دل کے ویرانوں پر کیا گزر رہی ہے...... جیسے صحرا میں پتھر بکھرے ہیں، خشک ریت کے بگولے ہیں ......دھوپ کی جلن ہے، سورج کی جھلسا دینے والی چمک ہے ۔کوئی آڑ اور اوٹ نہیں، وہ نرم نرم باتوں کی بدلیاں نہیں، برساتی پھواریں نہیں جو لمحوں میں دکھ درد کی تلخیوں کو دھو دھلا کر صاف ستھرا کر دیتی تھیں......

وہ باتیں اب کہاں سننے کو ملیں گی جن کی دل نشینی او

ہوا کی سائیں سائیں میں نوحے کی آہیں ہیں ۔ دین و سنت قائم کرنے کی دھن اور لگن نے جس ہستی کو مجنوں بنا رکھا تھا اس کی آنکھیں تو بند ہو گئیں، نبضیں ڈوب چکیں ......اب ہم ہیں اور ہمارے دل کے ویرانے ......اب ان ویرانوں پر کیا گزرے گی، ہم کچھ نہیں کہہ سکتے!

تیرگی بڑھ گئی ہے لو کچھ اور
بڑھتا جاتا ہے غمکدے کا شور
بجھ گئی شمع گھپ اندھیرے میں
اور طوفاں کا دم بدم ہے زور

(انجم)